Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.103, 2016 pp 85 - 106

مجلۂ تحقیق
مجلۂ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۷، اپریل۔جون ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۳

جدید غزل میں جانوروں اور پرندوں کا تذکرہ

مسز صائمہ علی☆

Abstract:

The geographical landscape of any country is reflected in its local poetry, which also includes animal imagery. Different nations have varying perspectives of birds and animals according to their culture and these views are expressed as such in poetry. Following the trend of Persian poetry, the Urdu poetry is more inclined towards fantasy than reality. A few instances of animal metaphors can be traced in classical poetry as compared to the modern one in which references are found in abundance in literal and symbolic sense. This paper focuses on the allusions of animals in Urdu ghazal.

Keywords: پپیہا، کوئل، کونج، چکور، نیل کنٹھ، سانپ، بندر

اردو شاعری کے غالب رجحانات فارسی شاعری سے آئے۔ فارسی مزاج کی لطافت کے پیشِ نظر اس میں حقیق سے زیادہ تخیلاتی فضا ملتی ہے۔ یہی انداز اردو شاعری میں بھی نمایاں ہُوا۔ اس کے ساتھ کسی حد تک ہندوستان کی تاریخ، تہذیب اور ماحول بھی منعکس ہوا۔ ہندوستان کی تہذیب جنگل سے وابستہ تھی۔ ہندو مذہب میں بعض جانور قابل پرستش ہیں مثلاً گائے، سانپ، بندر۔ وشنو کے دس اوتاروں میں پہلے چار جانور کی صورت میں ہیں یعنی مچھلی، کچھوا، سوٗر، شیر۔ بعض جانور اساطیری حوالے سے اہمیت رکھتے ہیں جیسے رامائن میں سُنہرا ہرن جس کے لیے سیتا جی بے قرار ہوگئیں تھیں اور جسے پکڑنے کی کوشش میں رام چندر راون کے جال میں پھنس گئے تھے یا نیل کنٹھ جس نے سیتا جی کے اغوا پر راون سے مزاحمت کی تھی۔ اس پس منظر میں ہندوستان کے لوگ جنگلی حیات سے زیادہ قریب تھے۔ شکار یہاں ایک مشغلے کی حیثیت رکھتا تھا۔ حکمرانوں کے ہاں یہ مشغلہ زیادہ منظم صورت میں سامنے آیا۔ اس دور کی تاریخ میں بھی ہمیں قیمتی اور نادر جنگلی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، بنک روڈ کیمپس لاہور۔

حیات کا ذکر ملتا ہے۔ شعری سطح پر اس کا اظہار شکار ناموں کی صورت میں ملتا ہے۔ میر کے کلیات میں دو شکار نامے شامل ہیں جو دونوں آصف الدولہ سے متعلق ہیں۔ ان میں جانوروں کے نام عربی، فارسی کے ساتھ ہندی میں بھی ملتے ہیں مثلاً

کہیں ارنے مارے غضنفر کہیں، کہیں ہاتھ سے نکلا اژدر کہیں
شتر مرغ، سیمرغ، ازبس ہراس، نہیں آتے کوہ شمالی کے پاس(۱)

اس کے علاوہ میر کے ہاں جانوروں پر مثنویاں بھی ملتی ہیں مثلاً مثنوی در تعریف سگ و گربہ، در تعریف مادہ سگ، مرثیہ خروس، مثنوی در بیان بُز، اور مثنوی اژدر نامہ۔ مؤخر الذکر مثنوی میں میر نے شاعری میں علامتی سطح پر خود کو اژدر اور اپنے معاصرین کو کیڑے مکوڑے قرار دیا تھا۔ اسی طرح سودا نے قصیدہ ''تضحیک روزگار'' میں گھوڑے اور ''ہجو فیل'' میں ہاتھی کو طنز کا نشانہ بنایا ہے کہ یہ دونوں جانور حکمرانی اور قوت کی علامت ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری میں جانوروں کا ذکر محض اکہرے معنوں میں نہیں ہوتا۔

شاعری میں جانوروں کے مقابلے میں پرندوں کا ذکر زیادہ علامتی معنویت کا حامل ہے۔ پرندہ آفاقی سطح پر روح کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ پرندوں کی نسبت زمین کے ساتھ آسمان تک بھی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ تخیل کو زیادہ تحریک دیتے ہیں۔ اسی نسبت سے شاعری میں ان کا ذکر جانوروں سے زیادہ ہے۔ عربی فارسی اور ہندی میں بہت سی نگارشات ہیں جہاں پرندوں کے ذریعے حکمت و معرفت کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ سنسکرت میں کلیلہ و دمنہ، فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر جس میں خیالی پرندے سیمرغ کا بیان ہے، فارسی کی طوطی نامہ، یا حیدر بخش حیدری کی داستان تو تا کہانی جس میں تو تا ہر رات ایک کہانی سُنا کر اپنی مالکہ کو بدکاری سے بچاتا ہے۔ اس پس منظر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اساطیری سطح پر پرندہ نیکی، حکمت، امن، دانش اور روحانیت کی علامت ہے۔

غزل کا مزاج داخلیت پسند ہے۔ اس میں خارجی عوامل کا بیان کم ملتا ہے۔ اس کے لطیف مزاج کا معیار حسن، لطافت، نزاکت اور نفاست ہے۔ چنانچہ غزل میں سورج، چاند، ستارے، پھول، رنگ، خوشبو جلوہ گر ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے جانوروں کا ذکر غزل کے مزاج کے پیش نظر کم ملتا ہے۔ جانور کے لفظ پر غور کریں تو یہ ''جان'' اور ''ور'' کا مرکب ہے جس کے معنی ہیں جان رکھنے والا، اس میں ور لاحقہ ہے جس طرح نام ور، طاقت ور، دیدہ ور وغیرہ۔ ان معنوں سے ہر جاندار جانور کی ذیل میں آ سکتا ہے۔ جانور کے لغوی معنی بھی اسی قسم کے ہیں:

Oxford Dictionary Thesauras کے مطابق:

"A living organism which feeds on organic matter, has specialized sense organs and nervous system, and able to move about and to respond rapidly to stimuli". (2)

اس تعریف سے ذی حیات میں نباتات کے علاوہ انسان اور جانور اس ذیل میں آ سکتے ہیں:
Oxford English Urdu Dictionary کے مطابق جانور کی تعریف:
''جیتی مخلوق سے متعلق، جسمانی، جبلی حیوانات (نہ کہ نبات کا) (۳) جانور کے وسیع معنوں کے استعمال کی یہ مثال دیکھیے:

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

اس شعر میں لفظ جانور کا استعمال لغوی کے بجائے علامتی معنوں میں کیا گیا ہے جس سے مراد انسان ہیں۔

لغوی معنوی سے قطع نظر عام بول چال میں جانور کو حیوان کے معنوں میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی مزید تخفیص جانوروں اور پرندوں کی صورت میں کی جاتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جانور اور پرندوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے کیوں کہ جانور کی رسائی زمین اور پرندے کی آسمان تک ہوتی ہے۔ ماحول کے اسی فرق کے باعث غزل میں جانوروں کی نسبت پرندوں کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔

فارسی غزل کی پیروی نے اُردو غزل کو عجمی مزاج عطا کیا۔ شعرا نے موضوعات اور زبان کے ساتھ جغرافیائی منظرنامہ بھی ایران کا ہی پیش کیا۔ کسی ملک کے پرندے اور جانور اس ملک کے جغرافیائی مزاج کی عکاسی کرتے ہیں اس ملک کے باشندوں کا پرندوں سے تعلق اور برتاؤ کی نوعیت اس ملک کا رہنے والا ہی بیان کرسکتا ہے لیکن اردو غزل گویوں نے بلبل کے زمزموں کے مقابلے میں کوئل اور پپیہے کی صداؤں کو بہت کم جگہ دی۔

محمد حسین آزاد اس موضوع پر لکھتے ہیں:

''ہمارے ہندوستان کی بہار کا موسم برسات ہے جو لُطف وہاں بہار میں ہوتے ہیں یہاں برسات میں ہوتے ہیں ہندوستان میں بُلبل کا زمزمہ نہیں کوئل کو کوک اور پپیہے کی ہُوک دلوں پر آفت لاتی ہے۔'' (۴)

کوئل:

کوئل ہندوستان کا اہم پرندہ ہے جو خصوصیات میں ایران کے بُلبل کی ہم سری کرتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بُلبل بہار کے موسم میں نغمہ سرا ہوتی ہے اور کوئل برسات میں بُلبل کو گلاب مرغوب ہے تو کوئل کو آم۔ کوئل ایک برساتی پرندہ ہے جو عموماً آموں کی فصل پکنے پر وارد ہوتا ہے۔ آم پکنے اور برسات کا موسم شروع ہونے کے ساتھ ہی کوئل کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

کوئل عام پرندوں سے مختلف پرندہ ہے۔ موہن لال سیٹھی کے مطابق:

''کوئل ان پرندوں میں سے ہے جو اپنا سارا وقت درختوں اور ان کی ٹہنیوں میں ہی گزارتے ہیں۔ کبھی بھی زمین پر نہیں اترتے۔ اس لیے گو بہت سے اشخاص کوئل کی آواز سے تو بخوبی واقف ہوتے ہیں لیکن اس کی شکل وصورت سے نا آشنا ہوتے ہیں۔'' (۵) ''اس کے ساتھ کوئل ایسا غیر معمولی پرندہ ہے جو انڈے اپنے دشمن کوے کے گھونسلے میں دیتی ہے اور کوے کے انڈے گرا دیتی ہے۔ بڑے ہونے پر کوئل کے بچے اڑ کر چلے جاتے ہیں۔

غزل میں کوئل کا ذکر دیکھیے:

اپنی غزل قتیل وہ کوئل کی کوک ہے
جس کی تڑپ کو دُور سے پہچان جایئے

(قتیل شفائی)

بارشوں میں اُس سے جا کر ملنے کی حسرت کہاں
کوکنے دو کوئلوں کو اب مجھے فرصت کہاں

(منیر نیازی)

کیا بچھڑ کے رہ گیا جانے بھری برسات میں
ایک کوئل کُوکتی ہے آم کے باغات میں(۶)

(بشیر منذر)

سنائی جائے گی کوئل کو ہم نوا کرکے
حسیں پھولوں کو بھنوروں کی ایک راز کی بات(۷)

(سلام مچھلی شہری)

سب اپنے گھروں میں لمبی تان کے سوتے ہیں
اور دُور کہیں کوئل کی صدا کچھ کہتی ہے(۸)

(ناصر کاظمی)

دیوانی کوئلیا نے برہن کے آنسو بھر کر
پھر سے بھیگی ہوئی فضا میں بکھرائی بانسریا(۹)

(اسلم کولسری)

ے آم کے پیڑ پہ کوئل کی صدا
تیرا اسلوب وفا ہو جیسے(۱۰)

(امین راحت چغتائی)

پپیہا:

پپیہا بھی کوئل کی سی خصوصیات رکھتا ہے یعنی اس کی وجۂ شہرت اس کی آواز ہے۔ اُردو انسائیکلو پیڈیا فیروز سنز کے مطابق:

''ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کا ایک پرندہ جس کو ہندی گیتوں میں وہی مقام حاصل ہے جو فارسی شاعری میں بُلبل، عربی شاعری میں کوے اور انگریزی میں سکائی لارک کو ہے۔ آمد بہار پر درختوں کے کنجوں میں بڑی دلدوز آواز نکالتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پی کہاں پی کہاں پکار رہا ہے۔''(۱۱)

درج بالا تحریر میں پپیہے کی آخری خصوصیت شاعری میں اسے زیادہ نمایاں کرتی ہے یعنی اس کے نام اور آواز دونوں میں ''پی'' کا حصہ محبوب کی یاد دلاتا ہے۔ اس نسبت سے اشعار میں ''پی'' کا لطیف استعمال کیا جاتا ہے مثلاً۔

دوہرائے چلے جاتا ہے پی پی کی صدائیں
پیغام نہ لایا ہو پپیہا مرے پی کا(۱۲)

(قتیل شفائی)

کوئلیں کوکیں پپیہے پی کہاں کہنے لگے
نغموں سے لبریز ہے رنگیں فضا برسات کی(۱۳)

(اختر شیرانی)

پپیہا چاند ساونوں میں نہ پکارتا کبھی
اگر تو چاندنی راتوں میں مل گیا ہوتا(۱۴)

(حسن رضوی)

میٹھی بولی میں پپیہے بولے
گنگناتا ہوا جب تو نکلا(۱۵)

(ناصر کاظمی)

جب سُنی ہم نے پپیہے کی صدا
جا بسے بیتی ہوئی برکھاؤں میں (۱۶)

(قتیل شفائی)

کُوکی نہ ایک کوئل، بولا نہ اِک پپیہا
کوئی ہوا نہ ساتھی رادھا کا بے کسی میں (۱۷)

(جمیل مظہری)

یہ پھول یہ سبزہ یہ گھٹا میرے لیے ہے
ساون میں پپیہے کی صدا میرے لیے ہے (۱۸)

(شبنم شکیل)

کوّا/ کاگا

کوّا ایک ناپسندیدہ پرندہ ہے۔ اس میں بہت سی منفی خصوصیات پائی جاتی ہیں مثلاً فصلوں اور اشیائے خورد و نوش کو نقصان پہنچانا، مُرغی کے چُوزے اٹھا کر لے جانا، بچوں کے ہاتھ سے روٹی چھین لینا وغیرہ بداعمالی کے ساتھ بدصورتی اور بدصوتی اسے مزید ناخوشگوار بناتے ہیں۔ اسی نسبت سے اس کے متعلق محاوروں میں بھی منفی رنگ نمایاں ہے۔ مثلاً ''کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا''۔ زیادہ اور بے مقصد بولنے والے کے لیے ''کوا کھانے'' کی مثال دی جاتی ہے۔ معاشرے میں عدم قبولیت کی بنا پر شاعری خصوصاً غزل میں اس کا ذکر بہت کم ہے اور اگر ہے بھی تو منفی پیرائے میں مثلاً ؎

؎ دیوار و در سے کچھ تو ہٹیں گی سیاہیاں
کوّے اڑا رہا ہوں گھروں کی منڈیر سے (۱۹)

(تنویر سپرا)

ہندی میں اس کے لیے کاگا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو کوّے کے مقابلے میں بہت خوب ہے۔ جس میں محبت اور اپنائیت کا احساس ملتا ہے۔ قدیم ہندی شاعری میں کاگا کا ذکر بطور قاصد ملتا ہے مثلاً افضل کے بارہ ماسے ''بکٹ کہانی'' میں برہا کی ماری عورت کاگ سے خط محبوب تک پہنچانے کی منت کر رہی ہے۔

؎ لکھوں پتیاں ارے او کاگ لے جا
سلونے، سانورے سُندر پیا پا
ارے یہ کاگ پاپی ٹک نہ مانے
مرم دل درد مندوں کا نہ جانے (۲۰)

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کبوتر کی پیغام رسانی کی روایت ہندی نہیں بل کہ عجمی ہے کیوں کہ ہندوستان میں کبوتر بازی کا رواج مغل بادشاہ اپنے ساتھ لائے (۲۱)

پرندوں کا مقام مختلف تہذیبوں میں مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً عربی شاعری میں کوّے کو مثبت تصور کیا جاتا ہے۔ اُردو انسائیکلو پیڈیا میں پپیہے کے ضمن میں لکھا ہے:

''ایک پرندہ جس کو ہندی گیتوں میں وہی مقام حاصل ہے جو فارسی شاعری میں بلبل، عربی شاعری میں کوّے اور انگریزی میں سکائی لارک کو حاصل ہے۔'' (۲۲)

گویا عربی اور ہندی تہذیب میں کوّے کو منفی تصور نہیں کیا جاتا۔ عجمی اثرات کے تحت اس کو نظرانداز کیا گیا غالباً عجم کی حسن پرستی نے اسے قبول نہیں کیا اور اسی اثر کے تحت اردو غزل میں اسے ناپسند کیا گیا البتہ ہندی روایت کے تحت کاگا کے نام سے اس کے متعلق محبت کا لہجہ ملتا ہے مثلاً

ـ پھر کاگا بولا گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رس کی بُوند پڑی تم یاد آئے (۲۳)

(ناصر کاظمی)

ـ اب تو کاگ بھی چھت پر بولتا نہیں آ کر
دُکھ تری جُدائی کا اور کتنا سہنا ہے (۲۴)

(ناصر شہزاد)

ـ شام سے پہلے پیلی دھوپ میں قاصد کاگا بولے
دھیرے دھیرے دروازے کے پٹ اندر کُھل جائیں (۲۵)

(اسلم کولسری)

کونج:

کونج ایک مسافر اور سیلانی پرندہ ہے۔ یہ پرندہ زیادہ تر وسطی ایشیا کے سرد ممالک میں پایا جاتا ہے۔ جب ان ممالک میں برف جم جاتی ہے اور سردی انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو کونجوں کی ڈاریں برصغیر کا رخ کرتی ہیں۔ اس طرح کونج کی دو خصوصیات نظر آتی ہیں ایک تو یہ مسافر پرندہ ہے موسم کی سختیوں کی وجہ سے نقل مکانی پر مجبور ہے۔ گویا غریب الوطن ہے۔ دوسرے سرد علاقے سے تعلق کی وجہ سے یہ یہاں گرمی اور پیاس محسوس کرتا ہے اس لیے عموماً چشموں، جھیلوں پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی مخصوص آواز کو ''کرلانا'' کہتے ہیں۔ عام طور پر انہیں مؤنث کے صیغے کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ غزل میں اس کی جھلک دیکھیے جس میں غیر عجمی

مزاج کے تحت کونج کی حقیقی خصوصیات کی عکاسی بھی ملتی ہے، اہم پہلو انسانی زندگی سے ان کا ربط ہے۔

اک دربدری ہم کو بھی لاحق ہے مگر ہم
کونجوں کی طرح شور مچایا نہیں کرتے(۲۶)

(عباس تابش)

پیاسی کُرلاتی کونجوں نے
میرا دُکھ تو سنایا ہو گا(۲۷)

(ناصر کاظمی)

پیاسی کونجوں کے جنگل میں
میں پانی پینے اُترا تھا(۲۸)

(ناصر کاظمی)

کُرال کونج ہوں، کوئل ہوں شاعری کے لیے
مچل رہی ہے مری کُوک بانسری کے لیے(۲۹)

(شیر افضل جعفری)

کونجیں نکلی ہیں پہاڑوں کے سفر پر لیکن
رُت بدلنے پر بھی بدلا نہ ٹھکانہ دل کا(۳۰)

(عباس تابش)

تمھیں بھلانا کہاں میرے اختیار میں ہے
یہ میری کونج ہے لیکن تمھاری ڈار میں ہے(۳۱)

(راشد مراد)

کبوتر:

کبوتر برصغیر کا معروف اور پسندیدہ پرندہ ہے۔ کبوتر پالنا ایک معاشرتی عادت اور مشغلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے باقی پرندوں کی طرح ہمیشہ پنجرے میں قید نہیں کیا جاتا۔ ان کا پنجرہ گھر کی چھت پر ہوتا ہے۔ یہ سارا دن اڑان کے بعد شام کو خود ہی اپنے پنجرے میں واپس لوٹ آتے ہیں۔ اخلاق احمد کے مطابق کبوتر بازی کا رواج مغل بادشاہ وسط ایشیا سے اپنے ساتھ لائے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

"It was such a fad that, following Moghal Emperors, the local Hindu Rajas and Mahrajas and Nwabs adopted it and the elite also took it up."(32)

اس طرح ہندوستان میں کبوتر بازی کی تاریخ صدیوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے پرندوں کی نسبت کبوتر کے ساتھ مذہبی جذبات بھی وابستہ ہیں کہ یہ روایت مشہور ہے کہ کبوتر خانہ کعبہ کی چھت کے اوپر پرواز نہیں کرتے۔ یہ عموماً مسجدوں اور مزاروں پر بسیرا کرتے ہیں۔ اس لیے کبوتر کو مذہبی احساسات کی بنا پر بھی بہت حد تک برداشت کیا جاتا ہے۔ کلاسیکی شاعری میں کبوتر کا ذکر زیادہ تر قاصد کے روپ میں کیا جاتا ہے کیونکہ کبوتر کے پاؤں سے خط باندھ کر بھیجنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ جس کا ہلکا سا اثر جدید غزل میں بھی ملتا ہے۔

کم سے کم عشق تو کر سکتے ہو شاہوں کی طرح
خط لکھو اور کبوتر کے حوالے کر دو (۳۳)

(ظفر گورکھپوری)

لیکن جدید غزل میں کبوتر کا بطور قاصد ذکر کم ہے۔ زیادہ تر کبوتر کا ذکر استعاراتی انداز میں ہی آیا ہے مثلاً

ہر آن دل سے الجھتے ہیں دوجہاں کے غم
گھرا ہے ایک کبوتر کئی عقابوں میں (۳۴)

(ناصر کاظمی)

ذہن کی چھتری سے سوچوں کے کبوتر اُڑ گئے
نفرتوں کے بازان پر میرے حاسد چھوڑ دے (۳۵)

(اقبال ساجد)

زندگی زندہ ہے لیکن کسی دمساز کے ساتھ
ورنہ یوں جیسے کبوتر کوئی شہباز کے ساتھ (۳۶)

(جلیل عالی)

زمیں چھوڑنے کا انوکھا مزہ
کبوتر کی اونچی اڑانوں میں تھا (۳۷)

(محمد علوی)

فاختہ:

فاختہ کو امن کی علامت کہا جاتا ہے۔ غزل میں اس کا ذکر اسی حوالے سے ملتا ہے، بل کہ زیادہ تر حوالہ امن پر طنز کے پیرائے میں آیا ہے:

اور جنگ کیا ہوگی جبکہ نخل زیتوں کا
شاخ شاخ بٹتا ہو، بھوکی فاختاؤں میں(۳۸)

(احمد ندیم قاسمی)

فاختہ کے گھونسلے میں گولیوں کے چھید ہیں
اسلحے کے ڈھیر پر بیٹھی ہوئی ہے نیم جاں(۳۹)

(حمیدہ شاہین)

امن کے علاوہ فاختہ کا ذکر اس کے ننھے وجود اور طاقت دشمن کے حوالے سے بھی ہوتا ہے، جو اس دنیا میں کمزور شخص کی زندگی کا اشارہ بھی ہے۔ مثلاً

زندہ رہنے کی تمنا ہو تو ہو جاتے ہیں
فاختاؤں کے بھی کردار عقابوں والے(۴۰)

(احمد فراز)

عقاب کو تھی غرض فاختہ پکڑنے سے
جو گر گئی تو یونہی نیم جان چھوڑ گیا(۴۱)

(پروین شاکر)

فاختہ چُپ ہے بڑی دیر سے کیوں
سرو کی شاخ ہلا کر دیکھو(۴۲)

(ناصر کاظمی)

اپنے انڈوں پہ بیٹھی ہوئی فاختہ کس قدر مضطرب اور بے چین تھی
گھونسلے کے قریب اس نے دیکھا تھا جب سانپ کو ایک ٹہنی پہ چلتے ہوئے(۴۳)

(طالب جوہری)

چڑیا:

چڑیا ایک ننھا، نازک اور عام پرندہ ہے، جو ہر گھر کے آنگن میں پایا جاتا ہے۔ یہ گھروں میں اشیائے خورد و نوش اور دوسری چیزوں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ پھر ان کا ننھا وجود چُوں چُوں کی آواز اِسے انسان دوست پرندہ بناتی ہیں۔ لوگ چڑیوں کو دانہ ڈالنا ثواب سمجھتے ہیں۔ چڑیوں کو صیغہ تانیث کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ ان کے آنگن میں دانہ چُگنے کچھ دیر چہچہانے کے بعد اُڑ جانے کی خصوصیات کی وجہ سے انہیں بیٹیوں

سے نسبت دی جاتی ہے، جو کچھ وقت بابل کے آنگن میں اپنے وجود سے خوشیاں بھر کے اپنے گھر کی ہو جاتی ہیں۔لوک گیتوں میں بیٹیوں کو ''چڑیوں کے چنبھے'' سے تشبیہ دی جاتی ہے۔غزل میں اس کا ذکر اس کے ننھے اور نازک وجود کے حوالے سے بھی ملتا ہے جو کبھی بہت مضبوط بھی دکھائی دیتا ہے

میں اک نوزائیدہ چڑیا ہوں لیکن
پُرانا باز مجھ سے ڈر رہا ہے (۴۴)

(پروین شاکر)

اپنی بقا کی جنگ میں چڑیا شہبازوں سے جیت گئی
ترک وطن ہی اِک حربہ تھا اس ننھی سی جان کے پاس (۴۵)

(طالب جوہری)

شہباز بوالہواس نے جھپٹ کر اُچک لیا
بیٹھی تھی ایک چڑیا ابھی پر سمیٹ کے (۴۶)

(تنویر سپرا)

چڑیوں کی اُڑان آزادی کا استعارہ بھی ہوتی ہے۔ جو ویسے تو ہر پرندے کے متعلق ہو سکتی ہے لیکن چونکہ چڑیوں کو لڑکیوں سے نسبت دی جاتی ہے ان کی اڑان اور معاشرے میں لڑکیوں کی حدود کے پس منظر میں شاہدہ حسن کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

میں نے ان سب چڑیوں کے پر کاٹ دیئے
جن کو اپنے اندر اڑتے دیکھا تھا (۴۷)

چڑیوں کی چہکار زندگی اور تحرک کا استعارہ بھی ہے۔گھریلو زندگی کے منظر کا ایک حصہ چڑیوں کی آواز بھی ہے۔

آنگن میں پھر چڑیاں بولیں
تو اب سو کر اُٹھا ہو گا (۴۸)

(ناصر کاظمی)

کس کو یاد کرتی ہے بولتی ہوئی چڑیا
کھڑکیوں سے لڑتی ہے ڈولتی ہوئی چڑیا (۴۹)

(امجد اسلام امجد)

چڑیوں کا کمزور نازک وجود مضبوط سہارے کی خواہش بھی انہیں لڑکیوں کی فطرت سے قریب کرتے ہیں۔

غزل میں اس کا ذکر دیکھئے۔

کل رات جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا تھا
چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے (۵۰)

(پروین شاکر)

اسی خیال کو حمیدہ شاہین نے یوں پیش کیا ہے:

بوڑھے پیڑ کے کٹ جانے سے ڈرتی ہیں
چڑیاں اب سہمی سہمی سی رہتی ہیں (۵۱)

مینا:

مینا کا نام لیتے ہی زبان پر طوطے کا نام آتا ہے لیکن ان دنوں کی محبت کا قصہ محض افسانوی ہے۔ کیوں کہ دو مختلف پرندوں کا باہمی تعلق ممکن نہیں۔ گھریلو انسائیکلوپیڈیا کے مطابق:

''مینا کا ذکر پُرانے قصے کہانیوں میں طوطوں کے ساتھ ملتا ہے اور طوطا مینا کی کہانی اُردو ادب کی ایک کلاسیکی کہانی ہے۔'' (۵۲)

البتہ مینا اور طوطے میں قدرِ مشترک دونوں کا انسانوں کی طرح بولنا ہے۔ مینا طوطے سے بھی کم وقت میں بولنا سیکھ جاتی ہے۔

چکور:

چکور کے متعلق مشہور ہے کہ یہ پرندہ چاند سے محبت کرتا ہے اور چاندنی راتوں میں دیوانہ وار چاند کو دیکھتا رہتا ہے اور چاند تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ عبدالقدیر رشک کے مطابق:

''ممکن ہے یہ بات کہانیوں کی حد تک درست ہو درحقیقت یہ پرندہ دیگر پرندوں کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ البتہ پرندہ چاند راتوں میں جھاڑیوں سے نکل کر جو اس کی پناہ گاہ ہوتی ہیں، فضا میں پرواز کرتا ہے۔ یہ جھاڑیوں میں چھپے رہنے کا قدرتی ردِعمل ہے۔'' (۵۳)

غزل میں اس کا ذکر چاند کی محبت یا اس کے پردے میں عاشق کے سلسلے میں آتا ہے۔

چاند تک اُڑ کر پہنچنے کا نہیں امکان جا
جا چکوری اپنے گھر والوں کا کہا مان جا (۵۴)

(طالب جوہری)

کہیں اس کی محبت لاحاصلی کا استعارہ بن جاتی ہے۔

میں پورب تو پچھم جیسے چاند چکور کی پریت
پیار کا پھل بے انت جدائی جنم جنم کی رِیت (۵۵)

(احمد شمیم)

عورت کے عشق کے لیے ''چکوری'' کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے عشق کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے ''بانوری چکوری'' کی ترکیب فلمی شاعری کا حصہ ہے۔

نیل کنٹھ:

نیل کنٹھ ہندوؤں کے نزدیک متبرک پرندہ ہے۔ رامائن میں جب راون سیتا کو اغوا کرتا ہے تو نیل کنٹھ اس کا مقابلہ کرتا ہے جس میں کامیاب نہیں ہوتا لیکن اس کوشش کی وجہ سے ہندو اسے متبرک خیال کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے تہوار دُسہرے کے روز اس کا دیدار خوش قسمتی کی علامت ہے۔ ہندی اساطیر کے مطابق ''تری مورتی'' کے تیسرے دیوتا شِو جنھیں مہادیو بھی کہا جاتا ہے، نے ایک مرتبہ بدی کو شکست دینے کے لیے سمندر سے نکلا زہر کا گھڑا پی لیا تھا جس کے اثر سے ان کی گردن نیلی ہو گئی تھی۔ اس رعایت سے وہ ''نیل کنٹھ'' کہلاتے ہیں۔ (۵۶)

ے زہر پچھلی نسلوں نے ہم سا کیا پیا ہو گا
اپنا جسم نیلا ہے اُن کے کنٹھ نیلے تھے (۵۷)

(ظفر گورکھپوری)

ے بلا سے اس کی کوئی ڈوبے یا کوئی اُبھرے
وہ نیل کنٹھ جو غلطاں ہے آب پارے میں (۵۸)

(صابر ظفر)

درج ذیل شعر میں اسی روایت کی طرف اشارہ ہے۔

غزل میں پرندوں کے اس تفصیلی ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ پرندے انسانی تخیل میں اہمیت رکھتے ہیں جن کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی آسمان تک رسائی ہے جانوروں کی نسبت پرندوں کے زیادہ ذکر سے اس پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہماری غزل کا مزاج زمین سے زیادہ آسمان کے قریب ہے۔
پرندوں اور ان کے خصائص کا ذکر بطور تشبیہ استعارہ بھی ملتا ہے۔

استعارے کی مثال دیکھئے:

اک چیل ایک ممٹی پر بیٹھی ہے دھوپ میں
گلیاں اجڑ گئیں ہیں مگر پاسباں تو ہے (۵۹)

(منیر نیازی)

گدھ بیٹھا ہے مٹی پر وہیں سے کریں آغاز
نیچے سے عمارت کو گرایا نہیں کرتے (۶۰)

(عباس تابش)

تشبیہ کی مثال:

ہند سے گدھ کی طرح دن مرا کھا جاتے ہیں
لفظ ملنے مجھے آتے ہیں مگر شام کے بعد (۶۱)

(پروین شاکر)

جب سے ملیں قتیل ہواؤں کی وسعتیں
بے چین پھر رہا ہوں ابابیل کی طرح (۶۲)

(قتیل شفائی)

ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہوئے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں (۶۳)

(عباس تابش)

غزل میں پرندوں کے علامتی ذکر کے علاوہ حقیقی معنوں میں بھی ذکر ملتا ہے لیکن اس صورت میں انسانی زندگی کے ساتھ ان کے تعلق پر بات کی جاتی ہے اس کے بغیر اکہری سطح پر یہ ذکر منظر نگاری تک محدود رہ جاتا ہے مثلاً۔

کھیت میں امرت گھول رہا ہے
کالا تیتر بول رہا ہے (۶۴)

(ناصر شہزاد)

جبکہ درج ذیل شعر میں تیتر کے آواز کیساتھ انسانی زندگی کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے:

کالے تیتر نے بول بول کے رات
رکھ دی غمناکیوں میں رول کے رات (۶۵)

(صابر ظفر)

صابر ظفر کی غزل کے یہ اشعار مختلف پرندوں کی خصوصیات کو بڑی خوب صورتی سے انسانی زندگی سے مربوط کرتے ہیں۔

تمہاری یاد تھی اور شام تھی اسیری کی
کلیجہ چیر رہی تھی صدا ٹیٹری کی

نہ آئیں اس طرف اڑتی ہوئی ابابیلیں
نہ بے کسی میں کسی نے بھی دستگیری کی
اڑائیں خاک نہ صحرائے تھر میں کیسے تلور
کہ اختیار سخی لال نے فقیری کی (٦٦)

(صابر ظفر)

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر عجمی غزل میں ایسے پرندوں کا بھی ذکر ملتا ہے جو بہت عام اور ہماری روزمرہ زندگی کا حِصّہ ہیں اس کے مقابلے میں عجمی غزل میں ایسے پرندے ملتے ہیں جو غیر معمولی صفات کے مالک ہوتے ہیں مثلاً مور جس کا ذکر عجمی غزل میں نمایاں ہے زیادہ تر اس کے لیے ''طاؤس'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اپنی خوب صورتی کی وجہ سے ''طاؤس'' جمالیات بل کہ عیش و نشاط کی علامت نظر آتا ہے جس کا اظہار اقبال کے مصرعے 'شمشیر و سناں روِل طاؤس و رباب آخرؔ' سے کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان میں مسلم بادشاہت کے جلال و جمال کے مظہر کو بھی ''تخت طاؤس'' کا نام دیا گیا تھا۔ اس سے عجم کے جمالیاتی ذوق کی عکاسی ہوتی ہے جس کا اظہار غزل میں بھی ہوا ہے۔ مہر افشاں فاروقی نے اپنے مضمون Ghalib Peacock and Us میں کلام غالب میں مور کے موضوع کو بیان کیا ہے۔ (٦٧) عجمی غزل میں پرندے کسی خاص صفت کی بنا پر ہی جگہ پاتے ہیں مثلاً طاؤس حُسن کے لیے، کرگس مردار کھانے، گرگ خونخواری اور روباہ عیاری کے لیے، شاہین بلند پروازی کے لیے لیکن ان جانوروں کا وجود بطور مور، گدھ، بھیڑیا، لومڑی اور باز عجمی غزل سے مناسبت نہیں رکھتا جبکہ غیر عجمی غزل میں کوے، کبوتر، کونج، فاختہ، چڑیا جیسے عام اور غیر شاعرانہ پرندوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

جانور:

ہندو مذہب انسان کے ساتھ دوسرے جانداروں کو بھی محترم گردانتا ہے۔ ان کے بھگوان (وشنو) کے دس اوتاروں میں چار جانور کی صورت (مچھلی، کچھوا، سؤر، شیر) میں ہیں۔ ان کے نظریہ تناسخ کے مطابق انسان اگلے جنم میں جانور کے روپ میں بھی آسکتا ہے اس لیے وہ جانور کی زندگی کو بھی محترم جانتے ہیں۔ اسی نسبت سے اُن کے ہاں گوشت خوری منع ہے۔ جین مت اس سے بھی آگے جا کر حشرات الارض کی جان لینے کی بھی ممانعت ہے۔ اس لیے وہ پانی کو بھی چھان کر پیتے ہیں کہ کہیں نادانستگی میں کوئی کیڑا منہ میں نہ چلا جائے۔

اس مذہبی پس منظر میں کچھ جانور مقدس تصور کیے جاتے ہیں مثلاً سانپ زہریلا اور مہلک ہونے کے باوجود بھگوان کا درجہ رکھتا ہے ہندومت میں سانپ کی عادات بھی اہمیت رکھتی ہیں کہ یہ مخصوص بل کو گھر نہیں بناتا سادھوؤں کی طرح آوارہ پھرتا ہے اور اندھیرے بل میں گیان حاصل کرتا ہے سانپوں میں سب

سے اہم شیش ناگ ہے۔ ڈاکٹر داؤد رہبر کے مطابق ''شیش کا مطلب ہے (بچا کچھا) تصور یہ ہے کہ جب بنانے والے نے دنیا بنائی تو عناصر کی معجون میں جو چیز بچ رہی وہی ناگ ہے۔ ناگ کے کینچلی بدلتے میں تناسخ کا اشارہ ہے۔،،(۶۸)

لیکن سانپ کے متعلق ہندوؤں کے مقدس جذبات غزل کا حِصّہ نہیں ہے۔ نقصان پہنچانے کی فطرت کے باعث غزل میں اس کا ذکر مہلک دشمن کے طور پر ہی آیا ہے۔

اس دھرتی کے شیش ناگ کا ڈنگ بڑا زہریلا ہے
صدیاں بیتیں آسماں کا رنگ ابھی تک نیلا ہے(۶۹)

(قتیل شفائی)

میں اتنے سانپوں کو رستے میں دیکھ آئی تھی
کہ تیرے شہر میں پہنچی تو کوئی ڈر ہی نہ تھا(۷۰)

(پروین شاکر)

ناگ کے ڈسنے کی تکلیف کے پیشِ نظر گہرے غموں کو بھی ناگ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

ناگ برہ کا ڈس لے گا
ڈھونڈو گے چاہت کی چھاؤں(۷۱)

(قتیل شفائی)

ایک محاورے کے مطابق قابلِ اعتبار شخص کے نقصان پہچانے پر اسے آستین کے سانپ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہندو روایات کے مطابق سانپ کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے دودھ پلایا جاتا ہے۔ اس سے متاثر ہو کر سانپ کو دودھ پلانا دشمن کو پالنے کے مترادف لیا جاتا ہے۔ جو ہندو عقیدے سے متضاد سانپ کے حقیقی کردار کے حوالے سے ہے۔ سانپ کے بچوں کو سنپولیا کہا جاتا ہے جس میں احساسِ نفرت و نخوت شامل ہے کہ سانپ کا بچہ بھی اپنی فطرت سے مجبور ہو کر نقصان پہنچائے گا۔ ان منفی خصوصیات کے ساتھ سانپ کو کالے رنگ، ملائم جلد اور لمبائی کی وجہ سے زلفوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ غزل میں سانپ کی ان مختلف خصوصیات کا ذکر ملتا ہے۔

اگرچہ ان گیسوؤں نے رادھا تمھیں سپیرن بنا دیا ہے
مگر سنبھالے نہیں سنبھلتے یہ بے حیا کالے ناگ تم سے(۷۲)

(جمیل مظہری)

تری ناگ ناگ زلفیں کہیں رام ہو نہ جائیں
کہ اُٹھا ہے بین لے کر زر و مال کا سپیرا(۷۳)

(شیر افضل جعفری)

ڈسنے لگے ہیں خواب مگر کس سے بولیے
میں جانتی تھی پال رہی ہوں سنپولیے (۷۴)

(پروین شاکر)

سانپ کی تکلیف دینے کے فطرت اور ہر حال میں ڈسنے کی عادت کی وجہ سے ایسے انسان کو بھی سانپ سے تشبیہ دی جاتی ہے جو اعتبار کا خون کرتے ہیں اور اچھائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں۔ شعری سطح پر ایسے لوگوں کو سانپ سے زیادہ مہلک قرار دیا جاتا ہے۔

مقیّد کر دیا سانپوں کو یہ کہہ کر سپیروں نے
یہ انسانوں کو انسانوں سے ڈسوانے کا موسم ہے (۷۵)

(احمد ندیم قاسمی)

سارے سپیرے ویرانوں میں گھوم رہے ہیں بین لئے
اس بستی میں رہنے والے سانپ بڑے زہریلے تھے (۷۶)

(غلام محمد قاصر)

بندر:

ہندومت میں بندر متبرک تصور کیا جاتا ہے۔ رامائن میں رام کا جاں نثار ساتھی ''ہنومان'' انسان نما بندر ہے جو مافوق الفطرت طاقتوں کا مالک ہے اور ہر حال میں رام کی مدد کرتا ہے۔ اس حوالے سے بندر ہندوؤں کے نزدیک مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ بندر انسانوں کو تنگ کرتا ہے۔ چیزیں چُرا لیتا ہے اس کے باوجود اسے مارنا مناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ ڈاکٹر وزیر آغا ہندی رسم الخط دیوناگری لپی کی شکل کو لمبی شاخ سے لٹکے ہوئے بندروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔'' (۷۷)

اس کے ساتھ بندر کی شکل وحرکات انسان سے ملتی ہیں۔ ڈارون کے نظریے کے مطابق انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس کی انسان سے شباہت، اچھل کود، نقل اتارنا اسے ایک مزاحیہ کردار بناتے ہیں۔ چنانچہ بندر ہندومت کے حوالے سے مقدس اور عمومی طور پر ایک مزاحیہ جانور ہے۔ ان متضاد صفات کے ساتھ غزل میں اس کے ذکر کی گنجائش نکالنا مشکل کام ہے جو ظفر اقبال نے بآسانی کیا۔ ان کے ایک مجموعے کا نام ''ہے ہنومان'' ہے۔ اس کے علاوہ بندر کی دوسری خصوصیات کا ذکر بھی ان کے ہاں ملتا ہے مثلاً:

گم ہونے لگے ہیں مرے اجداد کے آثار
ٹوٹا ہوا رشتہ کوئی بندر سے نکالوں (۷۸)

مذکورہ مجموعہ ظفر اقبال کی طبع رواں، جدت پسندی کا اظہار ہے جو غزل میں تجرباتی اہمیت رکھتا ہے

زیرِ نظر مطالعہ غزل کی روایت کے تناظر میں کیا گیا ہے اس لیے اس مجموعے کی بنا پر نہیں کہا جا سکتا کہ غزل میں بندر کا ذکر عام ملتا ہے۔ غزل کی لطافت اس ذکر کی مشکل سے متحمل ہوتی ہے۔ سجاد باقر رضوی نے ایک شعر میں بندر اور ادرک کے محاورے کا ذکر کیا تو بندر کو مفرس کر کے بوزنہ کر دیا ہے۔

ذائقوں کے قتل کے یوں سلسلے جاری ہوئے
بوزے اس عہد میں ادرک کے بیوپاری ہوئے (۷۹)

کلاسیکی غزل میں جانوروں کا ذکر علامتی رنگ میں ملتا ہے مثلاً

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا (۸۰)

(ذوق)

جانوروں کا ذکر غیر عجمی غزل میں بھی بہت کم ملتا ہے بہ نسبت پرندوں کے۔ پرندوں کی اڑان آسمان سے وابستہ ہوتی ہے جبکہ جانوروں کی پہنچ زمین تک محدود ہے۔ پرندوں کے مقابلے میں جانوروں کا ذکر بہت کم ملتا ہے جو بیشتر علامتی رنگ کا ہے ۔ شیر اپنی بہادر کے باعث عزت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ حضرت علی کو ''اسد اللہ'' یا ''شیر خدا'' کہا جاتا ہے اس نسبت سے شیر وہ واحد جانور ہے جس پر انسانی نام بھی رکھے جاتے ہیں مثلاً مشہور شاعر ابن انشا کا اصلی نام شیر محمد تھا۔ (۸۱)

شیر آ کے چیر پھاڑ گیا مجھ کو خو
م بھر کو میری آنکھ لگی تھی مچان پر (۸۲)

(ظفر اقبال)

نغاں سے گیدڑوں کی گونجنے لگا جنگل
شکاری کس کے لیے چھوڑ کر مچان گیا (۸۳)

(محسن احسان)

گھوڑے کا ذکر عجمی شاعری میں کثرت سے ملتا ہے۔ گھوڑا قوت کی علامت ہے اس لیے گھوڑے کا ذکر عجمی غزل میں علامتی نوعیت کا ہے۔ فارسی میں اس کے لیے فرس، اسپ، رخش، سمند جیسے خوش صوت الفاظ ملتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورہ و العادیات میں گھوڑوں کی حقیقی خصوصیات کا ذکر بے حد خوب صورت انداز میں ہوا ہے۔ مرثیے اور قصیدے میں گھوڑے کا ذکر حقیقی انداز میں ملتا ہے۔ لیکن شاعر قدرت بیان سے اُسے تخیلاتی بنا دیتا ہے۔ جدید غزل میں محمد اظہار الحق، خالد اقبال یاسر جیسے شعرا کے ہاں گھوڑے کا ذکر مسلم حکمرانی کے تناظر میں ملتا ہے لیکن وہ عجمی مزاج کا ہے۔ گھوڑے کو قوت کی علامت کے طور پر نہ لیں تو غزل میں اس کی گنجائش نکالنا مشکل ہے۔ اس لیے غیر عجمی غزل میں گھوڑے کا ذکر کمیاب ہے۔

بیر بہوٹی کا شمار حشرات الارض میں ہوتا ہے اس کی خوبصورت، رنگین مخملی جلد اس کی کشش ہے جس کی بنا پر شاعری میں اسے محبوب کے خوب صورت بدن یا لباس سے تشبیہ دی جاتی ہے مثلاً

آنکھیں بیر بہوٹی جیسی دل کو لالا زار کیا
اس غم رت نے کس چاؤ سے میرا ہار سنگھار کیا(۸۴)

(شبنم شکیل)

مانگ رہی تھی اپنا لباس
بیر بہوٹی اس تن سے(۸۵)

(صابر ظفر)

وہ جس کی کمر تک چوٹی ہے، رنگت میں بیر بہوٹی ہے
چھو کر جو اُسے میں نے دیکھا وہ مجھ کو لگی مخمل جیسی(۸۶)

(قتیل شفائی)

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ کلیاتِ میر ،مرتبہ عبدالباری آسی ،لاہور ،سنگ میل پبلی کیشنز ،۲۰۰۵

۲۔ Oxford Dictionary Thesaurus, Oxford University Press, New York, 2001, page 44.

۳۔ Oxford English Urdu Dictionary, Oxford University Press, Karachi, 2011, p 47.

۴۔ محمد حسین آزاد ،سخن دان فارس ،ص ۳۰۸

۵۔ موہن لال سیٹھی ، پرندے اوران کی زندگی ،لاہور ،دارالاشاعت پنجاب ،۱۹۳۰، ص ۱۸۴

۶۔ بشیر منذر ،بیسویں صدی کی اردو شاعری ،لاہور ،بک ہوم ،۲۰۰۳ء

۷۔ سلام مچھلی شہری ،نقوش غزل نمبر ،جلد دوم ،۱۹۶۹

۸۔ ناصر کاظمی ،کلیات ناصر ،لاہور ،جہانگیر بکس ،۲۰۰۶ء

۹۔ اسلم کولسری ،کومل ،لاہور ،القمر ،۲۰۰۷ء

۱۰۔ امین راحت چغتائی ،فنون غزل نمبر ۱۹۶۹

۱۱۔ عبدالسلام ،نگران اعلیٰ ،اردو انسائیکلو پیڈیا ،لاہور ،فیروز سنز ،۱۹۸۴ء ،ص ۲۷۸ ۔

۱۲۔ قتیل شفائی ،کلیات ،رنگ خوشبو روشنی ،لاہور ،سنگ میل ،۲۰۰۴ء

۱۳۔ اختر شیرانی ،کلیات اختر شیرانی ،مرتبہ ڈاکٹر یونس حسَنی ،لاہور ،ندیم بک ہاؤس ،۱۹۹۳ء

۱۴۔ حسن رضوی ،کبھی کتابوں میں پھول رکھنا ،لاہور ،سنگ میل پبلی کیشنز ،۲۰۰۱ء

۱۵۔ ناصر کاظمی ،کلیات ناصر ،جہانگیر بک ڈپو ،۲۰۰۶ء

۱۶۔ قتیل شفائی ،کلیات ،رنگ ،خوشبو ،روشنی ،لاہور سنگ میل ،۲۰۰۴ء

۱۷۔ جمیل مظہری ،فکر جمیل ،کراچی ،مکتبہ اسلوب ،۱۹۸۵ء

۱۸۔ شبنم شکیل ،شب زاد ،لاہور ،سنگ میل ،۱۹۹۸ء

۱۹۔ تنویر سپرا ،لفظ کھردرے ،جہلم ،بک کارنر ،۱۹۸۰ء

۲۰۔ افضل ،تاریخ ادب اُردو ،جلد اول ،ص ۶۵ ۔

21- Akhlaq Khan.The Flying Pigeon, Lahore, M/sAkhlaq Ahmed Khan & Nazar Saeed Khan, page 225.

۲۲۔ اُردو ،انسائیکلو پیڈیا ،لاہور ،فیروز سنز ،ص ۲۷۸ ۔

۲۳۔ ناصر کاظمی ،کلیات ناصر ،لاہور ،جہانگیر بک ڈپو ،۲۰۰۶ء

۲۴۔ ناصر شہزاد ،پکارتی رہی بنسی ،لاہور ،الحمد پبلی کیشنز ،۲۰۰۸ء

۲۵۔ اسلم کولسری ،کومل ،لاہور ،القمر ،۲۰۰۷ء

۲۶۔ عباس تابش ،عشق آباد ،کلیات ،لاہور ،الحمد پبلی کیشنز ،۲۰۱۱ء

۲۷۔ ناصر کاظمی ،کلیات ناصر ،لاہور ،جہانگیر بک ڈپو ،۲۰۰۶ء

۲۸۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر، ایضاً۔
۲۹۔ شیر افضل جعفری، موج موج کوثر، فیصل آباد، قرطاس، ۱۹۸۹ء
۳۰۔ عباس تابش، عشق آباد کلیات، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء
۳۱۔ راشد مراد، غزل ۸۹، مرتبہ قائم نقوی، لاہور گل ریز پبلشرز، س۔ن

32- Akhlaq Ahmed, The Flying Pigeon Page, 225.

۳۳۔ ظفر گورکھپوری، جدید غزل گو، مرتبہ، عابد رضا بیدار، ۱۹۹۵ء
۳۴۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر، لاہور، جہانگیر بکس، ۲۰۰۶ء
۳۵۔ اقبال ساجد، اثاثہ، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۰ء
۳۶۔ جلیل عالی، فنون غزل نمبر جلد دوم ۱۹۶۹ء
۳۷۔ محمد علوی، www.@rekhta.com
۳۸۔ احمد ندیم قاسمی، ندیم کی غزلیں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء
۳۹۔ حمیدہ شاہین، دستک، لاہور، کتاب نما، ۱۹۹۵ء
۴۰۔ احمد فراز، کلیات، شہر سخن آراستہ ہے، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء
۴۱۔ پروین شاکر، ماہ تمام، اسلام آباد، مراد پبلی کیشنز، س۔ن
۴۲۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر، لاہور، جہانگیر بک ڈپو، ۲۰۰۶ء
۴۳۔ طالب جوہری، پس آفاق، لاہور، ماورا پبلشرز، ۲۰۰۲
۴۴۔ پروین شاکر، کلیات ماہ تمام، اسلام آباد، مراد پبلی کیشنز،
۴۵۔ طالب جوہری، پس آفاق، لاہور، ماورا، پبلشرز، ۲۰۰۲ء
۴۶۔ تنویر سپرا، لفظ کھردرے، جہلم بک کارنر، ۱۹۸۰ء
۴۷۔ شاہدہ حسن، بیسویں صدی کی اُردو شاعری، لاہور، بک ہوم، ۲۰۰۳ء
۴۸۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر، لاہور، جہانگیر بک ڈپو، ۲۰۰۶ء
۴۹۔ امجد اسلام امجد، فشار، لاہور، ماورا پبلشرز، ۱۹۸۲ء
۵۰۔ پروین شاکر، کلیات ماہ تمام، اسلام آباد، م[illegible] پبلی کیشنز، س۔ن
۵۱۔ حمیدہ شاہین، دشت وجود، لاہور، ملٹی می[illegible]، ۲۰۰۶ء
۵۲۔ گھریلو انسائیکلوپیڈیا، لاہو، اُردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۸ء، ص ۹۱۹
۵۳۔ عبدالقدیر رشک، کسانوں کے دوست پرندے، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹۷ء
۵۴۔ طالب جوہری، پس آفاق، لاہور، ماورا پبلشرز، ۲۰۰۲ء
۵۵۔ احمد شمیم، کلیات، کبھی ہم خوب صورت تھے، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء
۵۶۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردو غزل اور ہندوستانی تہذیب، لاہور، سنگ میل، ۲۰۰۵ء، ص ۳۲۲
۵۷۔ ظفر گورکھپوری، جدید غزل گو مرتبہ عابد رضا بیدار، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء
۵۸۔ صابر ظفر، کلیات 1، مذہب عشق، رنگ ادب، ۲۰۱۳ء

۵۹۔ منیر نیازی،کلیات منیر،لاہور،ماورا پبلشرز،۱۹۸۶ء
۶۰۔ عباس تابش،کلیات عشق آباد،لاہور،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء
۶۱۔ پروین شاکر،کلیات ماہ تمام،اسلام آباد،مراد پبلی کیشنز،س۔ن
۶۲۔ قتیل شفائی،کلیات رنگ خوشبو روشنی،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء
۶۳۔ عباس تابش،کلیات عشق آباد،لاہور،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء
۶۴۔ ناصر شہزاد،بن باس،لاہور،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء
۶۵۔ صابر ظفر،کلیات 1،مذہب عشق،کراچی،رنگ ادب،۲۰۱۳ء
۶۶۔ صابر ظفر،ایضاً
۶۷۔ Meher Afshan Farooqi, Ghalib, Peacock and us, Daily Dawn, Magazine, Books & Authors, May 10,2015, page 3.
۶۸۔ ڈاکٹر داؤد رہبر،کلچر کے روحانی عناصر،لاہور،سنگ میل
۶۹۔ قتیل شفائی،کلیات،رنگ،خوشبو،روشنی،لاہور،سنگ میل،۲۰۰۴ء
۷۰۔ پروین شاکر،کلیات ماہ تمام،اسلام آباد،مراد پبلی کیشنز،س۔ن
۷۱۔ قتیل شفائی،کلیات،رنگ،خوشبو،روشنی،لاہور،سنگ میل،۲۰۰۴ء
۷۲۔ جمیل مظہری،فکر جمیل،کراچی،مکتبہ اسلوب،۱۹۸۵ء
۷۳۔ شیر افضل جعفری،فنون غزل نمبر جلد دوم ۱۹۶۹ء
۷۴۔ پروین شاکر،کلیات ماہ تمام،اسلام آباد،مراد پبلی کیشنز،س۔ن،
۷۵۔ احمد ندیم قاسمی،ندیم کی غزلیں،لاہور،سنگ میل،۲۰۰۶ء
۷۶۔ غلام محمد قاصر،آٹھواں آسمان بھی نیلا ہے،فطرت پبلی کیشنز،۱۹۸۸ء
۷۷۔ ڈاکٹر وزیر آغا،اردو شاعری کا مزاج،لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۰۸ء،ص ۱۱۴
۷۸۔ ظفر اقبال،کلیات،اب تک،جلد دوم،لاہور،ملٹی میڈیا افیئرز،۲۰۰۵ء
۷۹۔ سجاد باقر رضوی،جوئے معانی،لاہور،مکتبہ تمثیل،۱۹۹۱ء
۸۰۔ ذوق،کلیات ذوق،لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۰۹ء
۸۱۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،تاریخ ادبیات،مسلمانانِ پاک و ہند،جلد پنجم،۲۰۱۲ء،ص ۳۳۸
۸۲۔ ظفر اقبال،عیب و ہنر،لاہور،پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز،۱۹۹۴ء
۸۳۔ محسن احسان،ناتمام،پشاور،ادارۂ علم و فن،۱۹۸۱ء
۸۴۔ شبنم شکیل،شب زاد،لاہور،سنگ میل،۱۹۹۸ء
۸۵۔ صابر ظفر،کلیات 1 مذہب عشق،کتاب رنگ،۲۰۱۳ء
۸۶۔ قتیل شفائی،کلیات،رنگ خوشبو روشنی،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء۔